اسلامی مملکت کے بین الاقوامی تعلقات

(عصر حاضر کے تناظر میں)

International Relations of Islamic State

(In Contemporary Perspective)

ڈاکٹر فرید الدین طارق*

ABSTRACT

Islam where considers the superiority of law, provision of justice and equity, building and purification of civilization and emphasis on the welfare of society, there ensures the first priority to humanity, peace and prosperity in the external relations .

Islamic state keeps relations on the basis of equality with the world and non-Muslim citizens living within the state. On this belief and ideology Islam invites the world to set together. Islam on these principles of Islamic ideology and belief sets the foundation of collectiveness. On this principle the whole philosophy of life and living system are embraced, and the same Islamic law is the foundation of nations, on this behalf the Islamic state organized the relation with other states. In this way Islamic state on these principles keep relations with other states and within the state relations between Muslim and non-Muslim citizens on the basis of brotherhoods, equality, mercy and the principles of dignity of human being .

Along with peace Islam set the principles of war which comprise ethical and prison limitations, duties and ethics amongst warrior, difference between the rights of fighters and non-fighters, treatment with pact holders and prisoners, and specified the way of better treatment with the defeated nations. He thought the manners of war to bloody man who consider everything right during the war.

Islam lays great stress on equality, social justice, brotherhood and peace not only in state but across the boarders too. In this article a deep study is done to explain the relations of an Islamic state with other states. Islamic foreign policy emphasizes on the principles of equality among all the human beings and all the races and nations. Islam builds international relation on humanitarian basis.

Keywords: *International relations, State Islamic, Brotherhood Muslims, Contemporary.*

* لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، آزاد جموں و کشمیر یونیورسٹی، مظفر آباد

بین الاقوامی قانون' اقوام اور ممالک کے مابین تعلقات کی نوعیت وضوابط طے کرنے کا نام ہے۔ قانون کے اس شعبہ کے لیے عموماً 'بین الاقوامی قانون' جبکہ انگریزی میں 'International Law' کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ فقہاء اسلام نے قانون کے اس شعبہ کے لیے مذکورہ بالا اصطلاح کے بجائے ایک منفرد اصطلاح اختیار کی ہے جو بالواسطہ قرآن مجید اور احادیث رسول ﷺ سے ماخوذ ہے فقہاء نے فقہ اسلامی کے اس شعبہ کے لیے "سِیَر" کی اصطلاح اختیار کی جو سیرت کی جمع ہے "سِیرت" کے لفظی معنی ہیں طرز عمل، "رویہ" یا زندگی کا اسلوب [۱]

اصطلاح میں "سِیَر" سے مراد مسلمانوں کا وہ طرز عمل اور رویہ ہے جو ان کو غیر مسلموں سے تعلقات، صلح وجنگ، دوسری ریاستوں سے تعلقات اور دیگر بین الاقوامی اور بین الممالک اداروں اور افراد سے لین دین و دیگر امور میں اپنانا چاہیے۔ [۲]

بین الاقوامی تعلقات کا اسلامی تصور

یہ بات انسانی مزاج میں شامل ہے کہ وہ باہمی تعلقات میں اپنے اور پرائے کا فرق کرتا ہے اور اس بنیاد پر تعلقات کی نوعیت اور ترجیحات طے کرتا ہے لیکن کس کو اپنا اور کس کو پرایا سمجھا جائے؟ اس کا دارومدار قوموں کے اپنے تصور زندگی اور نظریہ حیات، قومی مزاج، تہذیبی پس منظر اور اصول وتمدن پر ہوتا ہے بعض اقوام نسلی یکجہتی کو اس کی بنیاد قرار دیتی ہیں دور حاضر میں بھی بالادست اقوام ایک خاص نسل، رنگ کی بنیاد پر ہی اپنے بین الاقوامی تعلقات استوار کرتی ہیں، لیکن اسلام کے نظام کی بنیاد لسانی جغرافیائی وحدت، علاقائی یا نسلی عصبیت نہیں بلکہ صرف ایک عقیدہ اور نظریہ پر ہے یہی کائنات کی بڑی اولین حقیقت ہے جس کی بنیاد پر بین الاقوامی نظام مرتب کیا جاسکتا ہے۔ اسلام نے بلا تفریق رنگ ونسل کی بنیاد پہ انسانیت کو اکٹھا کیا ہے اس لیے اسلام میں رنگ ونسل کی بنیاد پر کوئی کسی سے بالاتر نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾[۳]

ترجمہ: لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور پھر تمھاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک

---

(۱) وھبۃ الزحیلی، الدکتور، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ط، دارالفکر، دمشق شام، ۱۹۸۹ء، ۴/ ۳۶۲

(۲) أیضاً: ۳۶۲

(۳) سورۃ الحجرات: ۴۹/ ۱۳

دوسرے کو پہچانو درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى أَعْجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَى))(۱)

ترجمہ: اے لوگو! خبردار ہو جاؤ کہ تمہارا رب ایک ہے اور بیشک تمہارا باپ آدم علیہ السلام ایک ہے، کسی عرب کو غیر عرب پر اور کسی غیر عرب کو عرب پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی سفید فام کو سیاہ فام پر اور نہ سیاہ فام کو سفید فام پر فضیلت حاصل ہے سوائے تقویٰ کے۔

اسلامی ریاست اسی اصول مساوات کی بنیاد پر ہی دنیا سے تعلقات استوار کرتی ہے، اسلام اسی نظریہ وعقیدہ کی بنیاد پر دنیا کو مل بیٹھنے کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا﴾(۲)

ترجمہ: کہو اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں۔

اسلام نے نظریے اور عقیدے کو ہی اجتماعیت کی بنیاد کے طور پہ اختیار کیا ہے اسی بنیاد پہ اسلام کا سارا فلسفہ زندگی اور نظام حیات استوار ہوتا ہے اور یہی وہ بنیاد ہے جس پر اسلام کے بین الاقوامی قانون کی اساس ہے جس سے اسلامی ریاست کے دوسری ریاستوں سے تعلقات منظم ہوتے ہیں۔

عہد نبوی میں امور خارجہ

اسلامی ریاست وحکومت دنیا میں عالمگیر امن کی داعی اور ذمہ دار ہے۔ صیغہ خارجہ یا وزارت خارجہ اس کام پہ مامور ہے، اسلامی ریاست میں تو اس کا تصور آغاز ہی سے بہت ہی واضح رہا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے مدینہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی جس کا قیام تمام انسانوں کی فلاح و نجات کے لیے عمل میں آیا تھا۔ آپ ﷺ کی بعثت سارے عالم کے لئے تھی آپ تو تمام دنیا کو امن وسلامتی سے ہمکنار کرنے آئے تھے انہی مقاصد کے حصول کے لیے رسول ﷺ نے اندرون و بیرون عرب کی چھوٹی بڑی حکومتوں، معاصر بادشاہوں امراء و رؤساء سے مناسب روابط کا سلسلہ شروع کیا اور خط و کتابت کے ذریعے باقاعدہ دین حق کی دعوت دی اور امن سلامتی کا پیغام دیا۔ چنانچہ ہجرت کے

---

(۱) احمد بن حنبل، ابو عبداللہ بن محمد، مسند احمد، ط، المکتب الاسلامی، بیروت ۱۹۸۷ء، رقم: ۲۳۵۳۲، ۵/ ۴

(۲) سورۃ آل عمران: ۳/ ۶۴

کچھ عرصے بعد ہی بنو حمزہ اور جہینہ سے معاہدے، نجاشی سے خطوط کا تبادلہ، ہرقل اور کسری کے نام خطوط اسی بین الاقوامی رابطوں کے سلسلے کی کڑی تھی۔

ریاست نبوی کی ان سرگرمیوں کا اجراء "صیغہ خارجہ" سے ہوتا ہے اور اس کے تحت بیرونی ملکوں سے خط و کتابت، سفارتی تبادلہ اور معاہدات کا انعقاد جیسے اہم امور انجام دیئے جاتے تھے۔ اس شعبہ میں ایسے لوگ خاص طور پر مقرر کیے گئے تھے جن کا کام غیر ملکی دستاویزات و خطوط کا مطالعہ و ترجمہ، گفتگو کی صورت میں ترجمانی اور امراء کے نام پیغامات کا جواب دینا تھا۔ اس سلسلے میں دو اشخاص قابل ذکر ہیں، ایک حضرت عبد اللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ جو ملوک و امراء کو خطوط لکھنے پر مامور تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پہ اس درجہ اعتماد تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو صرف مضمون بتا دیتے تھے اور پھر ابن ارقم خط لکھ کر بغیر سنائے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر ثبت کر دیتے تھے دوسرے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے جو وحی الٰہی کی کتابت کے علاوہ اوّل الذکر کی طرح ملوک و رؤسا کو خطوط بھی لکھتے تھے۔

جب یہ دونوں حضرات موجود نہ ہوتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ خدمت کسی اور تربیت یافتہ شخص کے سپرد کر دیتے تھے۔ جہاں تک غیر ملکی زبانوں کو جاننے اور سیکھنے کا تعلق ہے، تو سیرت طیّبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ترغیب دی بلکہ بعض اوقات حکم بھی دیا جس کے نتیجے میں مختلف صحابہ نے پوری تندہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو عملی جامہ پہنایا۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بعض غیر ملکی زبانوں کو صرف سترہ دنوں میں سیکھ لیا تھا اور کتاب یہود کی تعلیم پندرہ دنوں سے کم مدت میں مکمل کر لی تھی۔ ان کے علاوہ دوسرے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ملکی و سفارتی ضرورتوں کے تحت مختلف زبانوں کو بڑی مستعدی کے ساتھ سیکھا تھا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیرون عرب ملوک و سلاطین کو دعوت اسلام دینے کے لیے جو سفارتیں روانہ فرمائی تھیں۔[۱] ان کے تمام سفراء ان زبانوں میں گفتگو کر سکتے تھے جن علاقوں میں انھیں بھیجا گیا تھا۔[۲]

مزید بر آں چونکہ سفارت صیغہ تعلقات خارجہ کا اہم ترین عنصر ہے اس لیے منصب سفارت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان ہی لوگوں کو تقرر فرمایا جو اس کا حق ادا کر سکتے تھے اور جیسا کہ بعد میں پیدا ہونے والے تاریخی نتائج سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تمام سفارتیں انتہائی کامیاب ثابت ہوئیں اور ان کی وجہ سے جہاں وقت کے جبر و ظلم کے مقابلہ میں امن عالم کو فروغ ملا، وہاں اس کے ساتھ ساتھ داخلی امن کو بھی بہت تقویت پہنچی اور جس کے نتیجہ میں جلد ہی عرب کے گوشہ گوشہ سے سفارتیں دار الحکومت مدینہ آنے لگیں۔

(۱) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، مکتبہ الخانجی، القاہرہ، ۱۴۲۱ھ ا/ ۲۵۸، ۳۵۷

(۲) ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک الحمیری، السیرۃ النبویہ، ط/ بیروت لبنان، دار الجیل، ۱۴۱۱ھ، ۴/ ۲۵۵

ایک خاص بات یہ کے کہ رسول اللہ ﷺ نے اطرافِ عالم میں جتنے سفرا بھی روانہ فرمائے، وہ آداب سفارت سے کماحقہ واقف اور صورت حال کے مطابق کاروائی کرنے میں ماہر تھے۔ روابط کے استحکام اور تعلقات کی بہتری کے سلسلے میں ہدایا اور تحائف کا بھیجنا بھی عالمگیر روایات میں شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تحفے اور ہدایا کا تبادلہ نہ صرف یہ کہ دوست ممالک یا ہم خیال حکمرانوں سے ہی کیا۔[۱] بلکہ دشمن ممالک اور مخالفوں کو بھی ارسال ہدایا میں تکلف نہیں برتا، مثلاً عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو ابوسفیان بن حرب کے پاس مکہ میں ہدایات دے کر بھیجا۔[۲] علاوہ ازیں سفراء کا تقرر آپ ﷺ نے جنگ، صلح اور پر امن حالات ہر زمانے میں کیا۔ جہاں تک معاہدات کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں بھی رسول اللہ ﷺ نے کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور معاہدہ کے ذریعے سیاسی کامیابیاں حاصل کرتے چلے گئے۔ اس ضمن میں معاہدۂ جہینہ، معاہدہ حدیبیہ، معاہدہ ثقیف، معاہدہ دومتہ الجندل، معاہدہ نجران وغیرہ کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔[۳]

ریاست کا یہ اندورنی استحکام رسالت مآب ﷺ کے خارجہ مقاصد کے حصول کے لیے انتہائی سود مند ثابت ہوا کیونکہ کوئی بڑی سے بڑی سلطنت بھی جو سخت اندرونی انتشار میں مبتلا ہو اکثر حقیر اور کمزور دشمنوں کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتی تاریخ عالم ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

اسلامی مملکت کی خارجہ پالیسی اور اس کی بین الاقوامی ذمہ داریاں

اسلام میں ریاستی تعلقات کے اصول مبادی جن پہ جنگ اور امن کی حالت بھی اسلامی ریاست کے خارجی تعلقات قائم ہوتے ہیں، اور ان اصول کا قائم کرنا ریاست کی بین الاقوامی ذمہ داری بھی ہے، درج ذیل ہیں:

ا۔ وحدت و تکریم انسانیت

اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی ایک عالمی انسانی برادری قائم کرنے کی علمبردار ہو جو اقوام عالم کو ایک پلیٹ فارم جمع کرے کیونکہ اسلام نسل انسانی کی وحدت کا پیغام لے کر آیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ﴾[۴]

---

(۱) طبقات ابن سعد، ۱/ ۳۱۲

(۲) ایضاً، ۱/ ۶۶۲

(۳) حمید اللہ، ڈاکٹر، الوثائق السیاسیۃ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ، ط، دار النفائس، بیروت ۱۹۸۷ء، ۱۴۰۷ھ، ص: ۸۵۔ ۹۶۔ ۱۴۲

(۴) سورۃ البقرۃ: ۲/ ۲۱۲

ترجمہ: ابتدا میں سب لوگ ایک ہی طریقہ پر تھے (پھر یہ حالت باقی نہ رہی اور اختلافات رونما ہوئے) تب اللہ نے نبی بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کج روی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے، اور اُن کے ساتھ کتاب برحق نازل کی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہوگئے تھے، ان کا فیصلہ کرے۔

اسی طرح اسلام اپنے اصولوں پہ قائم ہونے والی ریاست کے دیگر ریاستوں سے تعلقات اور اپنے مسلم اور غیر مسلم شہریوں کے باہمی تعلقات کی بنیاد رواداری، عدل ورحمت اور تکریم انسانیت کے اصولوں پر رکھتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَ فَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلاً﴾(۱)

ترجمہ: یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی وتری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔

اسی طرح اسلام بین الاقوامی تعلقات گروہی، لسانی، نسلی، عصبیت سے بالاتر ہو کر خالص انسانی بنیادوں پہ قائم کرتا ہے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا إِلَى عَصَبِيَّةٍ))(۲)

ترجمہ: جس نے عصبیت کی طرف بلایا وہ ہم میں سے نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہی پیغام دیا تھا کہ وہ کسی مخصوص گروہ کو نہیں بلکہ ساری دنیا کو اللہ سے ڈرانے والا اور سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴾(۳)

ترجمہ: اے نبی ﷺ ہم نے تمہیں بھیجا ہے گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔

۲۔ بین الاقوامی معاملات میں عدل اور معاہدات کی پاسداری:

ریاستی تعلقات کے میدان میں عدل کا تقاضا ہے کہ جملہ معاہدات، مواثیق اور قرار دادوں کی بنیاد عدل پہ ہو سب کے ساتھ انصاف ہو اور اس کی بنیاد پر کوئی طاقتور کسی کمزور پر ظلم وزیادتی نہ کرے۔ لہذا عدل واضح ترین

(۱) سورۃ الاسراء:۱۷/ ۷۰

(۲) ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابوداؤد، ط، دارالفکر بیروت ۱۴۱۴ھ، رقم:۵۱۲۱

(۳) سورۃ الاحزاب:۳۳/ ۴۵

خصوصیت ہے جس سے متعلق جملہ انسانی تعلقات میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور اس بارے میں احکام قرآن وسنت سے ثابت شدہ ہیں۔ عدل دشمن کا ویسا ہی حق ہے جیسا کہ دوستوں کا حق ہے۔ غیر مسلموں کی مسلمانوں سے عداوت اور زیادتی کے باوجود ان سے ناانصافی درست نہیں، بلکہ خارجہ پالیسی بین الاقوامی عدل و تقوی پر مبنی ہو۔

ارشاد الٰہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُونُواْ قَوَّامِينَ لِلّهِ شُهَدَاء بِالْقِسْطِ وَلاَ يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلاَّ تَعْدِلُواْ اعْدِلُواْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى﴾[۱]

ترجمہ: ایمان والو! اللہ کے نام پر انصاف کے ساتھ گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ کسی قوم کی دشمنی تم کو اس امر پر نہ اکسائے کہ عدل کا دامن چھوڑ دو تم بہر حال انصاف کیا کرو یہ بات تقوی کے زیادہ قریب ہے۔

عدل، مساوات اور آزادی کی اقدار محض خواہشات ہی نہ رہیں بلکہ ضروری ہے کہ انھیں بر سر زمین عملی صورت دی جائے اور افراد، ریاستوں، اداروں اور مختلف تنظیموں کے مابین معاملات کا زبردست تقاضا ہوتا ہے کہ ان اقدار کو معاہدوں کو صورت میں لایا جائے جو زمان و مکان کے حالات میں متعدد و متغیر عملی، نفسیاتی، اخلاقی قدروں سے بھرپور ہوں۔ قرآن حکیم وعدوں کے احترام، معاہدوں اور ذمہ داریوں کو کامل ترین صورت میں نبھانے کا صریح اور براہ راست حکم صادر کرتا ہے۔ اسلام نے عہد کو اخلاقی مرتبہ دے کر اسے تاکیدی الفاظ کے ساتھ حکم نامہ (Mandatory) بنا دیا ہے۔ اور اس اصول (معاہدات اور ذمہ داریوں کا امن و جنگ میں احترام) کا مسلمانوں کے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات میں نبی ﷺ کے مبارک عہد سے لے کر آج تک ایک بلیغ اثر تھا اور ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اَوفُوا بِالعَهدِ اِنَّ العَهدَ كَانَ مَسئُولًا﴾[۲]

ترجمہ: عہد کی پابندی کرو بے شک عہد کے بارے میں تم کو جواب دہی کرنا ہوگی۔

اسلامی حکومت عہد و پیمان کا احترام کرے۔

ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَ اَوفُوا بِالعَهدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدتُّم﴾[۳]

ترجمہ: اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم نے اس سے کوئی عہد باندھا ہو۔

---

(۱) سورۃ المائدۃ:۵/ ۸

(۲) سورۃ الاسراء:۱۷/ ۳۴

(۳) سورۃ النحل:۱۶/ ۹۱

نیز ارشاد ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوٓا اَوفُوا بِالعُقُودِ﴾ (۱)

ترجمہ: اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنے معاہدوں کی پوری پابندی کرو۔

معاہدات اپنی عبارتوں سے قوت حاصل نہیں کرتے بلکہ وہ ان کے عقد کرنے والوں کی عزیمت کے ساتھ وفا پر منحصر ہیں۔ اسلام بلاشبہ اسے عقیدہ ایمانی سے مربوط کر کے وفا کی ترغیب دیتا ہے۔ اس بنیاد کے ساتھ ریاستی معاہدات پختگی وپاسداری کے اصول کے اعتبار سے مضبوط بنیادوں پر استوار ہوتے ہیں کیونکہ اسلام معاہدات کی پاسداری کو نہ صرف قانونی ذمہ داری قرار دیتا ہے بلکہ اخلاقی اور دینی ذمہ داری اور ایمان کا تقاضہ بھی ہے۔ اس کی نظیر کسی قدیم وجدید ریاست کے قوانین میں نہیں ملتی۔

نقض عہد کے متعلق ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَ لَا تَنقُضُوا الاَیمَانَ بَعدَ تَوکِیدِھَا﴾ (۲)

ترجمہ: (قسموں) عہد کو پکا کرنے کے بعد مت توڑو۔

اگر فریق ثانی معاہدہ کو پورا کرنے میں کوتاہی برت رہا ہے، اسی صورت میں اسلام یہ اجازت دیتا ہے کہ معاہد قوم کو فوراً اطلاع دے دی جائے کہ اب معاہدہ نہیں رہا۔

ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَومٍ خِیَانَۃً فَانبِذ اِلَیھِم عَلٰی سَوَاءٍ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الخَائِنِینَ﴾ (۳)

ترجمہ: اگر تجھے قوم کی دغابازی کا خوف ہو تو ان کے عہد برابری کو ملحوظ رکھتے ہوئے اللہ دغابازوں سے محبت نہیں کرتا۔

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ اسلام بدعہدی سے روکتا ہے ہاں اگر قوم کی خیانت کا علم ہو جائے تو ان کو برابری کا موقع دے کر معاہدے سے دست برداری اختیار کر لی جائے نیز قرآن مجید دھوکہ دہی، خیانت اور عہد شکنی سے منع کرتا ہے اور وضاحت کے ساتھ تاکید فرمائی گئی ہے۔ برابری کی بنیاد پر معاہدے اور مواثیق کی پاسداری داخلی اور

---

(۱) سورۃ المائدۃ:۵/۱

(۲) سورۃ النحل:۱۶/۹۱

(۳) سورۃ الانفال:۸/۵۸

خارجی تعلقات میں بنیادی عوامل شمار ہوتی ہے نیز یہ اصول وضاحت کرتا ہے کہ یہ وفا اور اخلاقیات کا اصول محض شکلی اور قانونی پہلوؤں تک محدود نہیں ہوتا بلکہ وہ تعاون اور بقائے باہمی کی بنیاد کو راسخ کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

۳۔ غیر مسلم ریاستوں سے برابری کی بنیاد پر تعلقات

اسلام اپنے پیروؤں کو نیکی، احسان اور انسانی تعلقات میں تمام انسانوں کے لیے معروف پر عمل کی ترغیب دیتا ہے سوائے ان کے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمن ہوں لیکن ان کے علاوہ غیر مسلموں سے (غیر محاربین امن پسند غیر مسلم) دین اسلام ان کے ساتھ احسان کرنے سے منع نہیں کرتا، جب تک وہ پر امن اور صلح جو رہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِيْ الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾(۱)

ترجمہ: اور اللہ اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنھوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمھارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوا مِنْهُم﴾(۲)

ترجمہ: اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقے سے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہوں۔

اسلامی ریاست کا دیگر ریاستوں سے تعلقات کے حوالے سے ایک اہم اصول یہ ہے جسے امام سرخسی نے شرح السیر الکبیر میں بیان کیا ہے:

"الأمر بيننا وبين الكفار مبنى على المجازات"(۳)

ترجمہ: ہمارے اور غیر مسلموں کے درمیان تعلقات مجازات کی بنیاد پر ہوں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ طے کیا گیا تھا کہ جو رویہ و معاملہ کوئی ریاست ہمارے ساتھ رکھے گی ویسا ہی رویہ ہم اس کے ساتھ رکھیں گے۔ اسی اصول کی بنیاد پر امام سرخسی نے یہ اصول دیا کہ اسلامی ریاست

---

(۱) سورۃ الممتحنۃ: ۶۰/ ۸

(۲) سورۃ العنکبوت: ۲۹/ ۴۶

(۳) السرخسی، شمس الدین ابو بکر محمد بن اسماعیل، شرح السیر الکبیر، مطبعۃ السعادۃ، قاہرہ مصر، ۱۹۷۸ء، ۵/ ۳۸

اور غیر مسلم ریاستوں کی درمیان تعلقات مجازات کے اصول پر ہوں گے۔ جیسا معاملہ وہ ہمارے ساتھ رکھیں گے ویسا ہی معاملہ ہم ان کے ساتھ رکھیں گے۔ اس اصول کی بنیاد پر پروٹوکول، تجارت، سفارت، سفر کی سہولتوں اور دیگر مرعات کے معاملات طے کیے جاسکتے ہیں۔

۴۔ عالم اسلام کے مفادات کا تحفظ

اسلامی حکومت اس بات کا خیال رکھے کہ غیر مسلم حکومت سے اس قسم کے معاہدات نہ کرے جس سے کسی دوسری اسلامی ریاست یا مسلمانوں کے مفادات مجروح ہوتے ہوں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَّا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (۱)

ترجمہ: اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا ہمدرد اور دوست نہ بناؤ۔

اگر کوئی غیر مسلم حکومت کسی اسلامی حکومت پر حملہ کرے تو دنیا کے تمام اسلامی ممالک کا فرض ہے کہ وہ اسلامی حکومت کی مدد کریں۔ اسلامی حکومت کا دوسرا فرض یہ ہے کہ مسلمان جہاں مظلوم، کمزور اور غلام ہیں انہیں آزادی دلائی جائے۔ (۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ لاَ تُقَاتِلُونَ فِيْ سَبِيْلِ اللّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاء وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَـذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيّاً وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيْراً﴾ (۳)

ترجمہ: اور تم کو کیا ہوا ہے کہ خدا کی راہ میں اور ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس شہر سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں نکال کر کہیں اور لے جا اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور اپنی ہی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر فرما۔

تاریخ انسانی میں میثاق مدینہ ریاست کے تحریری آئین کی حیثیت سے اہم دستاویز ہے جو اسلامی ریاست کے بین الاقوامی تعلقات کے حوالے سے اصول فراہم کرتا ہے۔ میثاق مدینہ کی درجہ ذیل دفعات وضاحت کرتی ہیں:

---

(۱) سورۃ آل عمران:۳/۲۸

(۲) ابوزہرہ، العلاقات الدولیہ فی الاسلام، ط، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۹۹۳ء، ص:۲۴۱-۲۳۸

(۳) سورۃ النساء:۴/۷۵

☆**دفعہ ۱۴:** اور کوئی صاحبِ ایمان (مسلمان) کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلے قتل نہ کرے گا اور کسی کافر کی کسی مسلمان کے خلاف مدد نہ کرے گا۔

☆**دفعہ ۱۵:** اور خدا کا ذمہ ایک ہی ہے (مسلمانوں) کا ادنیٰ ترین فرد کسی کو پناہ دے دے تو سب پر اس کی پابندی لازمی ہوگی۔ اور ایمان والے باہم بھائی بھائی ہیں (ساری دنیا کے) لوگوں کے مقابل ہیں۔

☆**دفعہ ۱۷:** اور ایمان والوں کی صلح ایک ہی ہوگی اللہ کی راہ میں لڑائی ہو تو کوئی ایمان والا کسی ایمان والے کو چھوڑ کر (دشمن سے) صلح نہیں کرے گا۔ جب تک کہ (صلح) ان سب کے لیے برابر اور یکساں نہ ہو۔

☆**دفعہ ۱۹:** اور اللہ کے راستہ میں جو خون بہے گا اس میں سارے مسلمان برابر کے شریک ہوں گے یعنی مل کر بدلہ لیں گے۔ (۱)

۵۔ عالمی امن کا قیام؛ ظالم کو ظلم سے روکنا اور مظلوم کا ساتھ دینا

اسلامی حکومت کے تمام معاملات صلح اور امن پر طے ہونے چاہئیں کیونکہ اسلام صلح اور امن کا پیغام لے کر آیا ہے۔ اسلامی حکومت کی خارجہ پالیسی میں ہر رنگ میں امن کی روح قائم رہنی چاہیے ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَ اِن جَنَحُوا لِلسَّلمِ فَاجنَح لَهَا وَ تَوَكَّل عَلَى اللّٰهِ اِنَّه هُوَ السَّمِيعُ العَلِيمُ وَ اِن يُّرِيدُوٓا اَن يَّخدَعُوكَ فَاِنَّ حَسبَكَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِىٓ اَيَّدَكَ بِنَصرِه وَ بِالمُؤمِنِينَ﴾ (۲)

ترجمہ: اور اے نبی ﷺ، اگر دشمن صلح وسلامتی کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لیے آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو، یقیناً وہی سننے اور جاننے والا ہے۔ اور اگر وہ دھوکے کی نیت رکھتے ہوں تو تمہارے لیے اللہ کافی ہے وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعہ سے تمہاری تائید کی۔

اسلامی مملکت کی خارجہ پالیسی کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ ہمیشہ حق کی حمایت کی جائے اور ظلم کی مخالفت کی جائے۔ مسلمانوں کی جنگ کی اجازت اس لیے دی گئی کہ عدوان اور ظلم کو روکا جائے۔ ارشاد ہے:

﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ﴾ (۳)

ترجمہ: اجازت دے دی گئی اُن لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے، کیونکہ وہ مظلوم ہیں، اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ۴/ ۲۵۵، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، ص: ۱۴۔ ۳۶

(۲) سورۃ الانفال: ۸/ ۶۱۔ ۶۲

(۳) سورۃ الحج: ۲۲/ ۳۹

جہاں جنگ کی اجازت دی ہے وہاں طمع، انتقام اور کمزوروں پر ظلم وزیادتی سے منع کیا ہے۔ اور مظلوم کی حمایت اور دادرسی کے لئے آخری حد تک جانے کا حکم دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَا لَكُم لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَ الْمُستَضعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَاءِ وَ الوِلدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَآ اَخرِجنَا مِن هٰذِهِ القَريَةِ الظَّالِمِ اَهلُهَا وَ اجعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَّ اجعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرً ا﴾[۱]

ترجمہ: آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اُن بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی ومددگار پیدا کردے۔

ظالموں سے تعلقات کی نوعیّت کے بارے میں قرآن حکیم نے وضاحت کر دی ارشاد ہے:

﴿ إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوكُمْ فِيْ الدِّيْنِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾[۲]

ترجمہ:وہ تمہیں جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی کرو جنھوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی ہے اور تمہیں تمھارے گھروں سے نکالا ہے۔ اور تمھارے اخراج میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے۔ان سے جو لوگ دوستی کریں وہ ظالم ہیں۔

جنگ کے متعلق یہ حکم ہے کہ جارح قوم کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیے اگر مدافعت نہ کی جائے تو امن برباد ہو جاتا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَ قَاتِلُوا فِی سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُم وَ لَا تَعتَدُوا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ المُعتَدِينَ ﴾[۳]

ترجمہ:اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تمھارے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو۔

جنگ کی روح بیان کر دی کہ وہ زیادتی کے جذبے سے پاک ہو محض مدافعت اور بدلہ مقصود ہو۔

بین الریاستی نزاع سے متعلق احکام

ریاستوں کے درمیان نزاع کی پہلی صورت یہ ہے کہ یہ نزاع اور جنگ مسلمانوں کے درمیان ہو تو جب دو مسلمان

(۱) سورۃ النساء:۴/ ۷۵

(۲) سورۃ الممتحنۃ:۶۰/ ۹

(۳) سورۃ البقرہ:۲/ ۱۹۰

فریق ٹکرا جائیں تو اس میں قرآن پاک نے یہ ہدایت دی ہے:

﴿ وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴾(۱)

ترجمہ: اور مومنوں میں سے دو گروہ جنگ کریں تو ان میں صلح کرادو۔ پس اگر ایک دوسرے پر زیادتی کرتا ہے تو اس سے جنگ کرو جو زیادتی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔ پس اگر وہ رجوع کرے تو ان کے درمیان عدل سے صلح کرادو اور انصاف کرو کیونکہ اللہ تعالی انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

یعنی پہلے صلح و مصالحت کی کوشش کی جائے اب اگر ایک فریق زیادتی پر آمادہ ہو تو جو فریق زیادتی پر آمادہ ہو اس کے خلاف تمہیں قدم اٹھانا چاہیے خالی تماشائی نہ بننا چاہیے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَلَتَأْخُذُنَّ عَلَى يَدِ الظَّالِمِ، وَلَيَأْطِرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ أَطْرًا، أَوْ لَيَضْرِبَنَّ اللَّهُ قُلُوبَ بَعْضِكُمْ عَلَى بَعْضٍ ثُم تدعُونَ فَلَا يُستَجَابَ لَكُم))(۲)

ترجمہ: تمہیں ضرور نیکی کا حکم دینا ہوگا، برائی سے روکنا ہوگا اور تمیں ضرور ظالم کے ہاتھ پکڑنے ہوں گے ورنہ اللہ تعالی ایک دوسرے کے دلوں میں نفرت پیدا کر دے گا اور پھر تم دعا کروگے اور تمہاری دعا قبول نہ کی جائے گی۔

یعنی تیسری مسلمان طاقت کو غیر جانبدار رہ کر صلح مصالحت کی کوشش کرنی چاہیے جب کوئی فریق نہ مانے اور زیادتی پر آمادہ ہو تو پھر غیر جانبدار رہنا صحیح نہیں ہے بلکہ مظلوم کا ساتھ دینا چاہیے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ یہ نزاع اور جنگ اسلامی اور غیر اسلامی ریاستوں و قوّتوں کے درمیان ہو تو اس سلسلہ میں قرآن پاک ہدایت کرتا ہے:

﴿وتَعَاوَنُواْ عَلَى الْبرِّ وَالتَّقْوَى ﴾(۳)

---

(۱) سورۃ الحجرات:۴۹/۹

(۲) الترمذی، ابو عیسی محمد، جامع ترمذی، باب امر بالمعروف و نھی عن المنکر، ص:۲/۱۷۵

(۳) سورۃ المائدۃ:۵/۲

ترجمہ: ایک دوسرے کی نیک کام اور پرہیز گاری پر امداد کرو۔

اس ہدایت کے تحت اسلامی حکومت کو دوسری اسلامی حکومت اور فریق کا ساتھ دینا چاہیے۔اس کی مدد کرنی چاہیے۔ایسی صورت میں اسلامی مملکت کے لئے یہ جائز نہیں کے وہ مسلمان فریق کے خلاف جنگی کاروائی میں غیر مسلم حکومت کا ساتھ دے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ لَا يُسْلِمُهُ)) (۱)

ترجمہ: مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے وہ اس پر ظلم نہیں کرتا اور اسے کسی کے حوالہ نہیں کرتا اور مصیبت میں اسے تنہا چھوڑتا ہے۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

((الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا))

ترجمہ: ایک مسلمان دوسرے کے لیے دیوار کی مانند ہوتا ہے، جس کی ہر اینٹ دوسرے کو مضبوط کرتی ہے۔

بشرطیکہ اسلامی حکومت کی طرف سے ظلم و زیادتی نہ ہو، اگر مسلمان فریق کی طرف سے زیادتی ہو رہی ہو پھر ظالم کا ساتھ دینا صحیح نہیں ہو گا چاہے کافر کے ہی مقابلے میں کیوں نہ ہو۔

اس لیے کہ قرآن ہدایت کرتا ہے:

﴿وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (۲)

ترجمہ: اور گناہ اور ظلم پر مدد نہ کرو۔

اس حوالے سے میثاقِ مدینہ کی درج ذیل دفعات قابل غور ہیں:

☆ دفعہ ۱۴: اور کوئی ایمان والا کسی ایمان والے کو کسی کافر کے بدلے قتل نہ کرے گا اور کسی کافر کی کسی ایمان والے کے خلاف مدد نہ کرے گا۔

☆ دفعہ ۱۵: مسلمانوں کا ادنیٰ ترین فرد کسی کو پناہ دے دے تو سب پر اس کی پابندی لازمی ہو گی اور مؤمن باہم بھائی بھائی ہیں (ساری دنیا کے) لوگوں کے مقابل ہیں۔

☆ دفعہ ۱۷: اور ایمان والوں کی صلح ایک ہی ہو گی اللہ کی راہ میں لڑائی ہو تو کوئی ایمان والا کسی ایمان والے کو چھوڑ کر (دشمن سے) صلح نہیں کرے گا جب تک کہ (صلح) ان سب کے لیے برابر اور یکساں نہ ہو۔

---

(۱) مسند احمد، ص:۲/۹۵

(۲) سورۃ المائدۃ:۵/۲

☆ **دفعہ ۳۸ (الف):** اور کوئی شخص اپنے حلیف کے ساتھ غداری یا غلط روی اختیار نہیں کرے گا اور مظلوم کی مدد ہر صورت میں کی جائے گی۔

☆ **دفعہ ۴۷:** اور یہ کہ عہد نامہ کسی ظالم یا عہد شکن کے لیے حائل نہیں ہوگا یعنی اس کی مدد بہر حال نہ کی جائے گی اور جو جنگ کو نکلے وہ بھی امن کا مستحق ہو سکتا ہے اور جو مدینہ میں بیٹھا رہے تو بھی امن کا مستحق ہوگا مگر جو ظلم کرے اور عہد شکنی کرے اور وہ شخص خدا اور اس کے رسول کی پناہ میں ہے جو نیکی اور تقویٰ کا راستہ اختیار کرے۔(۱)

اسی طرح اسلامی ریاست اپنے اندر بغاوت کرنے والوں اور فساد پھیلانے والوں کے خلاف تادیبی کاروائی کرنے کی مجاز ہے تاکہ فساد اور تخریب کاری کا خاتمہ ہو سکے لیکن اس صورت میں اسلامی حکومت کو ظلم وزیادتی سے اجتناب انسانی جان کی حرمت کا خیال رکھنا چاہیے۔ میثاقِ مدینہ کی دفعہ نمبر ۱۳ میں لکھا گیا ہے:

دفعہ ۱۳: اور متقی ایمان والوں کے ہاتھ ہر اس شخص کے خلاف اٹھیں گے جو ان میں سرکشی کرے یا جبراً کوئی چیز حاصل کرنا چاہے یا گناہ یا ظلم کا ارتکاب کرے یا کوئی مسلمانوں میں فساد پھیلانا چاہے تو ایسے شخص کے خلاف بھی ان کے ہاتھ اٹھیں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو(۲)

نزاع کی تیسری صورت یہ ہے کہ دو غیر مسلم حکومتیں لڑ رہی ہیں ان میں سے کسی ایک سے مسلمان حکومت کا فوجی یا اقتصادی معاہدہ ہے تو اس صورت میں مسلمان حکومت غیر جانبدار نہیں رہ سکتی بلکہ جس سے مدد کا معاہدہ ہے اس کا پورا کرنا ضروری ہے جیسا کہ حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے بنو خزاعہ سے اسی طرح کا معاہدہ کیا تھا تو آپ نے ان کی مدد کا اعلان فرمایا تھا اسی کے نتیجہ میں فتح مکہ کا فیصلہ کرنا پڑا گویا اس صورت میں غیر جانبداری صحیح نہیں ہے۔ اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ جو دو غیر مسلم حکومتیں آپس میں لڑ رہی ہیں ان کی جنگ میں کسی مسلمان حکومت کا کودنا تین وجہ سے صحیح نہیں ہے بلکہ ان کو غیر جانب دار رہنا چاہیے۔

ا. ایک یہ کہ اسلام کے نزدیک اصل چیز امن ہے اور جنگ عارضی چیز ہے تو جب تک جنگ کا کوئی محرک نہ ہو اس وقت تک جنگ میں کودنا صحیح نہیں ہے۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ۴/ ۲۵۵۔ مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، ص: ۱۴۔ ۳۶

(۲) ایضا، ۴/ ۲۵۵

۲. دوسری یہ کہ ان دونوں کی جنگ کسی اخلاقی مقصد سے نہیں ہے بلکہ اس کی غرض یا تو اپنی حکومت کی توسیع ہو یا دوسری حکومت پر اپنا اقتدار قائم کرنا مقصود ہو اس لحاظ سے یہ دونوں ظالم ہیں اس لیے ان میں سے کسی کا ساتھ نہیں دینا چاہیے غالباً اسی موقع کے لیے امام مالک نے فرمایا تھا:

"دعهم ينتقم الله من الظالم بظالم ثم ينتقم من كليها"(۱)

ترجمہ: ان کو چھوڑو اللہ تعالیٰ ظالم کا بدلہ دوسرے ظالم سے لیتا ہے اور پھر وہ دنوں سے انتقام لے گا۔

۳. تیسری یہ کہ اس جنگ میں حصہ لینے کے معنی کسی نہ کسی ظالم فریق کی تائید ہو گی اور ظالم کی تائید جائز نہیں۔ اگر کوئی فریق کمزور ہو اور دوسرا مضبوط فریق اس کو ہضم کرنا چاہتا ہو تو ایسی صورت میں کمزور کی مدد کرنا اسلامی حکومت پر لازم ہے اس لیے کہ مظلوم اور کمزور کی مدد کرنا شریعت اسلامی میں فرض جیسا کہ اس سے قبل سورۃ نساء آیت نمبر ۷۵ کے حوالے سے بیان کیا جا چکا ہے۔ لیکن چونکہ یہاں بات دو غیر مسلم ریاستوں کے درمیان جنگ میں اسلامی مملکت کی پوزیشن کے حوالے سے ہو رہی ہے۔ ایسی صورت میں مناسب یہی ہے جب وہ خود مدد طلب کرے (اگر وہ فریق حق پہ ہے اور مظلوم بھی ہے) تو اس کی مدد ضرور کرنی چاہیے۔ لیکن حتی الامکان بغیر کسی شرعی سبب کے جنگ میں کودنا صحیح نہیں ہے۔

۶۔ اسلام کے پیغام کی اشاعت اور دعوت

اسلام کے پیغام اور تعلیم کی اشاعت اور دعوت امت مسلمہ کا مقصد اور ذمہ داری ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواْ شُهَدَاء عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً﴾(۲)

ترجمہ: اور اِسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک "امت وسط" بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو پہلے جس طرف تم رخ کرتے تھے۔

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾(۳)

ترجمہ: اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو۔

---

(۱) العلاقات الدولیہ، ص:۸۶

(۲) سورۃ البقرۃ:۲/۱۴۳

(۳) سورۃ آل عمران:۳/۱۱۰

اس آیت کریمہ میں اسلامی حکومت کی خارجہ پالیسی کا ایک اصول مقرر کیا ہے۔ وہ یہ جو سچائی رسول ﷺ سے حاصل ہے اسے لوگوں تک پہنچائیں یعنی اسلامی حکومت اسلام کی مبلغ ہوتی ہے۔ اس وجہ سے کوئی ایسا رویہ اختیار نہیں کر سکتی جو اسلام کی تعلیم کے منافی ہو۔ بین الاقوامی سطح پر ایک اسلامی مملکت کا اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ اسلام کے پیغام کو عام کرے اس کے لیے تمام وسائل بروئے کار لائے۔

اسلامی ریاست کی تمام داخلی اور خارجی پالیسیوں کا ہدف نظریہ اسلام کی خدمت ہونا چاہیے اور جو ممالک اور اقوام نظریہ اسلام کی بابت دوستانہ یا کم از کم غیر مخالفانہ رویہ رکھتے ہوں ان کے لیے اسلامی ریاست کی پالیسی دوستانہ یا غیر مخالفانہ ہی ہونا چاہیے۔ اس طرح جن ممالک اور اقوام کا رویہ اسلام سے دشمنی و عناد کا ہو تو ان سے دوستی کا معاملہ رکھنا تحفظ دین کے ہدف سے ہم آہنگ نہ ہو گا۔

۷۔ تحفظ ریاست اور مملکت کا اندرونی استحکام

اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی اپنی سرحدوں کی حفاظت پر مبنی ہوتی ہے۔ رسول ﷺ نے تمام تر مسائل کے باوجود مدینہ کی ریاست کی سرحدوں کی حفاظت پر بہت توجہ دی۔ جارح قوم سے پوری طاقت سے مقابلہ کیا۔ سرحدوں کی حفاظت سے متعلق قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اصبِرُوا وَ صَابِرُوا وَ رَابِطُوا﴾ (۱)

ترجمہ: اے لوگو! جو ایمان لائے ہو صبر کرو اور مقابلہ میں بڑھ کر صبر دکھاؤ (سرحدوں کی) حفاظت کرو۔

اس آیت میں یہ بیان کیا ہے کہ اسلامی حکومت کو ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہیں رہنا چاہیے، دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُم وَلَا تَعتَدُوا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ المُعتَدِينَ﴾ (۲)

ترجمہ: اللہ کی راہ میں ان لوگوں نے جنگ کرو جو تمھارے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو۔

اسلامی ریاست کا تحفظ و خود مختاری اور سرحدوں کی حفاظت ایک اہم ذمہ داری ہے۔ بیرونی دشمن کو اپنے ملک میں گھسنے کا موقع دینے کے بجائے آگے بڑھ کر سرحد پر اس کا مقابلہ کرنے کا طریقہ اختیار کرے۔ رسول کریم ﷺ کے دور میں تبوک کا پر صعوبت سفر اسی مقصد کے لیے کیا تھا۔ خلفاء راشدین کے دور میں ایران شام وغیرہ کی حکومتیں ریاست مدینہ کے لیے مستقل خطرہ بنی ہوئی تھیں۔ سرحدوں پر عربی قبائل کو اکساتی رہتی تھیں۔ خلفاء نے آگے بڑھ کر دشمنوں کے ملک میں داخل ہو کر ان کا مقابلہ کیا اور شکست دی۔ شام سے متصل عرب علاقوں (دومتہ الجندل، ایلہ، جربا اور اذرح) سے رومیوں کے اثر و رسوخ

---

(۱) سورۃ آل عمران: ۳/ ۲۰۰

(۲) سورۃ البقرہ: ۲/ ۱۹۰

اور غلبہ کا خاتمہ کر دیا۔ اس طرح یمن، عمان اور بحرین کو ایرانی مجوسیوں سے نجات دلائی۔ اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی احترام انسانیت اور مظلوموں کی دست گیری پر مبنی ہے اسلامی ریاست پر یہ فرض ہے کہ جہاں انسانیت کی ذلت ہو رہی ہو۔ عوام مظلومیت کا شکار ہوں تو ان کی مدد کی جائے۔

کوئی بڑی سے بڑی سلطنت بھی ہو سخت اندرونی خلفشار میں مبتلا ہو کر اکثر قلیل اور کمزور دشمنوں تک کا مقابلہ نہیں کر سکتی اس لئے ریاست کا داخلی استحکام بہت ضروری ہے۔ پہلی اسلامی ریاست اپنے قیام کے وقت یہود و نصاریٰ اور انصار کے دو گروہوں اوس اور خزرج کی پرانی عداوت کی وجہ سے عدم استحکام کے خدشات سے دوچار تھی، دفاع مدینہ کے لیے ضروری تھا کہ ان تمام فرقوں اور گرہوں کو ایک سیاسی وحدت میں پرو دیا جائے، چنانچہ نبی ﷺ نے سب سے پہلے اس کی کوشش کی اور تمام فریقوں کو ایک معاہدہ پر متفق کیا۔ اس معاہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ ﷺ مدینہ میں مامون زندگی بسر کرنے اور قوت وطاقت اور عسکری وسائل کو فراہم کرنے میں اچھی طرح کامیاب ہوگئے۔ یہ معاہدہ میثاق مدینہ کے نام سے مشہور ہے یہ معاہدہ دور حاضر میں اسلامی ریاست کے داخلی استحکام میں ایک اہم اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔

۸۔ سفیروں کے تحفظ کی ضمانت

اسلامی ریاست سفیروں اور قاصدوں کی جان کے تحفظ کی ضمانت دیتی ہے۔ اگر کوئی دوسرا حکمران اس اصول کی خلاف ورزی کرے تو اس کے خلاف فوجی کاروائی کی جائے۔ عہد نبوی ﷺ میں نبی کریم ﷺ کے سفیر اور قاصد کو بلقاء کے حاکم نے شہید کر ڈالا تو آپ ﷺ نے ان کا انتقام لینے کے لیے تین ہزار کا لشکر روانہ فرمایا غزوہ موتہ اسی سلسلہ میں پیش آیا۔

امام سرخسی نے شرح السیر الکبیر میں یہ اصول بیان کیا ہے کہ:

"ان الرسول من الجانبین یکون آمنا من غیر استیمان"[۱]

یعنی فریقین کی طرف سے (عین حالت جنگ میں بھی) آنے والا ایلچی بغیر امان لیے بھی مامون و محفوظ ہو گا۔

چنانچہ جب مسلمہ کذاب کے دو ایلچی اس کا خط لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اس کے دعویٰ نبوت کے بارے میں آپ ﷺ کو بتایا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم خود اس کے دعویٰ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم بھی وہی کہتے ہیں جو وہ کہتا ہے تو اس پر حضور ﷺ نے فرمایا:

((لَوْلَا أَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ أَعْنَاقَكُمَا))[۲]

ترجمہ: اگر ایلچیوں کے قتل نہ کیے جانے کا اصول نہ ہوتا میں تم دونوں کی گردنیں اڑوا دیتا۔

(۱) شرح السیر الکبیر، ۵/۲۳

(۲) سنن ابو داؤد، ۳/۸۳

۹۔ فنون حرب میں ترقی واستفادہ

اگر کسی ملک کے پاس مضبوط فوج نہ ہو تو دشمن کے لیے اس کا شکار کرنا آسان ہوتا ہے، اس کے برعکس مضبوط فوج ہو تو دشمن اس کی سنتا ہے اور اس کا احترام کرتا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں قوت کو ہمہ وقت تیار رکھنے کا حکم دیا ہے۔

﴿وَ اَعِدُّوا لَهُم مَّا استَطَعتُم مِّن قُوَّةٍ وَّ مِن رِّبَاطِ الخَيلِ تُرهِبُونَ بِه عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُم وَ اٰخَرِينَ مِن دُونِهِم لَا تَعلَمُونَهُم اَللّٰهُ يَعلَمُهُم﴾[۱]

ترجمہ: اور تم لوگ، جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے اُن کے مقابلہ کے لیے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دُوسرے اعداء کو خوف زدہ کرو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔

جنگ کے سلسلہ میں اسلام نے ایک قوت وطاقت کا مظاہرہ اور دوسرے رباط کا بندوبست اسلحہ وسامان پر زور دیا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَو تَغفُلُونَ عَن اَسلِحَتِكُم وَ اَمتِعَتِكُم فَيَمِيلُونَ عَلَيكُم مَّيلَةً وَّاحِدَةً﴾[۲]

ترجمہ: کافر چاہتے ہیں کہ تم اپنے اسلحہ (ہتھیاروں) اور اپنے سامان کی طرف سے ذرا غافل ہو تو وہ تم پر ایک ہی دفعہ ٹوٹ پڑیں۔

اس طرح اسلام اسلحہ سازی کے لیے معامل حربیہ کا سامان بہم پہنچانے کی بھی ترغیب دیتا ہے اور فولاد و آہن کا بطور خاص اس سلسلہ میں ذکر کرتا ہے کہ عسکری اغراض کے لیے اس سے استفادہ کیا جائے۔

آخر میں ایک اہم اصول جس کی بنیاد پر اجتماعیت کو تعلقات و معاملات سے متعلق فیصلے کی اتھارٹی حاصل ہوتی ہے۔ اس بارے میں فقہا نے یہ اصول بیان کیا ہے:

"لا منّعة بدون الامام و جماعة المسلين"[۳]

---

(۱) سورۃ الانفال:۸/۶۰

(۲) سورۃ النساء:۴/۱۰۲

(۳) المرغینانی، برہان الدین، ابو الحسن علی بن ابی بکر، ہدایہ، کتاب السیّر، کراچی پاکستان، محمد علی کارخانہ، ۱۹۹۲ء، ۲/۱۳۲

ترجمہ: مسلمانوں کی سیاسی اور عسکری قوّت کا بغیر کسی سربراہ اور جماعت مسلمین (Community) کا کوئی تصور نہیں۔

"منّعہ" سے مراد وہ سیاسی اور عسکری قوت ہے جس کی پشت پر موثر سیاسی اقتدار، عسکری طاقت اور عامۃ الناس کی تائید موجود ہو۔ منّعہ کا ذکر بڑی کثرت سے علم سِیر کے مباحث میں آتا ہے۔ دوسرے فقہی ابواب میں بھی کہیں کہیں منّعہ کا ذکر آتا ہے۔ مثال کے طور پر حدود قصاص کے احکام پر عمل درآمد کے لیے منّعہ کا وجود ضروری ہے، اس لیے کہ منّعہ کے بغیر اگر حدود و قصاص کا نفاذ کیا جانے لگے تو اس سے افراتفری اور بد نظمی پھیلے اور لوگوں کے جان و مال اس سے کہیں زیادہ خطرے میں پڑ جائیں گے جس سے بچنے کے لیے حدود و قصاص کے نفاذ کی کوشش کی گئی تھی۔ آج کل کی سیاسی اور آئینی اصطلاحات میں منّعہ سے قریب ترین اصطلاح اپنے مفہوم کے اعتبار سے Paramountcy کو قرار دیا جاسکتا ہے۔

خلاصہ بحث:

- اسلام جہاں قانون کی بالادستی عدل و انصاف کی فراہمی، تہذیب تمدن کی تعمیر و تطہیر اور فلاحی معاشرے کے قیام پر زور دیتا ہے، وہاں بیرونی تعلقات میں بھی انسانیت کی حفاظت اور امن سلامتی کو بھی ترجیح اوّل بنایا ہے۔
- اسلامی مملکت مساوات کی بنیاد پر ہی دنیا سے تعلقات استوار کرتی ہے، اسلام اسی نظریہ وعقیدہ کی بنیاد پر دنیا کو مل بیٹھنے کی دعوت دیتا ہے، اور یہی اسلام کے بین الاقوامی قانون کی اساس ہے جس پر اسلامی ریاست کے دوسری ریاستوں سے تعلقات منظم ہوتے ہیں۔
- اسلامی مملکت کی تمام داخلی اور خارجی پالیسیوں کا ہدف نظریہ اسلام کی خدمت ہونا چاہیے۔ اور جو ممالک اور اقوام نظریہ اسلام کی بابت دوستانہ یا کم از کم غیر مخالفانہ رویہ رکھتے ہوں ان کے لیے اسلامی ریاست کی پالیسی دوستانہ یا غیر مخالفانہ ہونا چاہیے۔ اس طرح جن ممالک اور اقوام کا رویہ اسلام سے دشمنی و عناد کا ہو تو ان سے دوستی کا معاملہ رکھنا تحفظ دین کے ہدف سے ہم آہنگ نہ ہو گا۔
- بین الاقوامی تعلقات میں اسلام ریاستی معاہدات کی پاسداری کو نہ صرف قانونی ذمہ داری قرار دیتا ہے بلکہ یہ اخلاقی اور دینی ذمہ داری اور ایمان کا تقاضہ ہے۔ ایک اسلامی مملکت کو صرف بین الاقوامی معاہدہ ہی پیش نظر نہیں رکھنا ہو گا بلکہ اسے معاہدات کی پابندی شریعت اسلامی کی بناء پر کرنا ہو گی خواہ اس کی صراحت بین الاقوامی معاہدہ میں نہ بھی ہو۔

- اسلامی مملکت کو غیر اسلامی ممالک سے تعلقات قائم کرنے میں ایک نہایت اہم بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ یہ تعلقات ایک قسم کی صلح ہیں لیکن صلح کا مطلب محبت، دوستی نہیں ہے کیونکہ بنیادی طور پر شریعت نے غیر مسلموں کو اپنا رازداں بنانے سے منع کیا ہے الآیہ کہ کسی معاملہ میں ان کی نیک نیتی واضح ہو۔
- اسلامی مملکت کو بین الاقوامی مسائل، مثلاً تخفیف اسلحہ، حقوق انسانی کا تحفظ، بین الاقوامی تنازعات کا پرامن حل، نسلی امتیازات، کمزور اقوام کے استحصال جیسے اہم مسائل میں سنجیدہ کردار ادا کرنا چاہیے۔ کیونکہ امن عالم کے لیے کوشش کرنا اس کا ایک دینی فریضہ ہے۔
- اسلامی ریاست کے قیام کا تقاضا یہ بھی ہے کہ وہ عسکری، اقتصادی اور معنوی وسائل سے لیس ہو اور ہر لحاظ سے تیار ہو تاکہ دشمن پر خوف اور رعب ودبدبہ قائم رہے اور وہ کسی جارحیت کا سوچ بھی نہ سکے اسے انسانی حقوق کو پامال کرنے کی جرات ہو اور نہ وہ کسی کی جان ومال پر دست درازی کرسکے اگر جنگی صورتحال ہو تو پھر ایک اسلامی ریاست کو باقی جنگی کارروائیوں، قیدیوں اور عام شہریوں کے سلسلے میں شریعت اسلامیہ کی ہدایات کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔
- اسوہ رسول ﷺ سے دور جدید کے حوالے سے جو فکر انگیز روشنی ملتی ہے وہ یہ کہ آپ ﷺ نے اپنی خارجہ پالیسی میں رواداری، امن اور صلح کے لیے بین الاقوامی معاہدوں کو بنیاد بنایا۔ اگر ناگزیر جنگ کا سامنا کرنا پڑا تو اس میں امن سلامتی کے سارے ممکنہ ذرائع کو ترجیح دی۔ جنگ کے آداب، اس میں اخلاقی حدود وقیود، محاربین کے باہم حقوق و فرائض، مقاتلین اور غیر مقاتلین کی تمیز اور ان کے حقوق، معاہدین اور اسیران جنگ کے ساتھ برتاؤ، اور مفتوح اقوام کے ساتھ حسن سلوک کے لئے واضح راہیں متعین کردیں۔ جنگ میں ہر چیز کو جائز سمجھنے والی خونخوار انسانیت کو آپ ﷺ نے آداب جنگ سکھادیئے۔

❁ ❁ ❁